اِس میکدے سے اس لیے ڈرتے ہیں بادہ نوش
ساقی نے کچھ مِلا نہ دیا ہو شراب میں

قرآن میں نزولِ مسیح کا
حتمی فیصلہ

اِس میں ثابت کیا گیا ہے کہ عہدِ نبوت سے قبل
اِس کائنات میں جتنے انسان تھے وہ سب کے سب
فوت ہو چکے ہیں

از علامہ ابوالخیر اسدی

مجلس نشر السنۃ

مخدوم رشید۔ ملتان

ادارہ اسلامیہ

مخدوم رشید۔ ملتان

0301-7444110

Azhar.asdi@gmail.com

Idarahislamia.com

؎ اس میکدے سے اس لیے ڈرتے ہیں بادہ نوش
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

قرآن میں نزولِ مسیح کا
حتمی فیصلہ

اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ عہدِ نبوت سے قبل
اس کائنات میں جتنے انسان تھے وہ سب کے سب
فوت ہو چکے ہیں

از علامہ ابوالخیر اسدی

مجلس نشر السنۃ

مخدوم رشید۔ ملتان

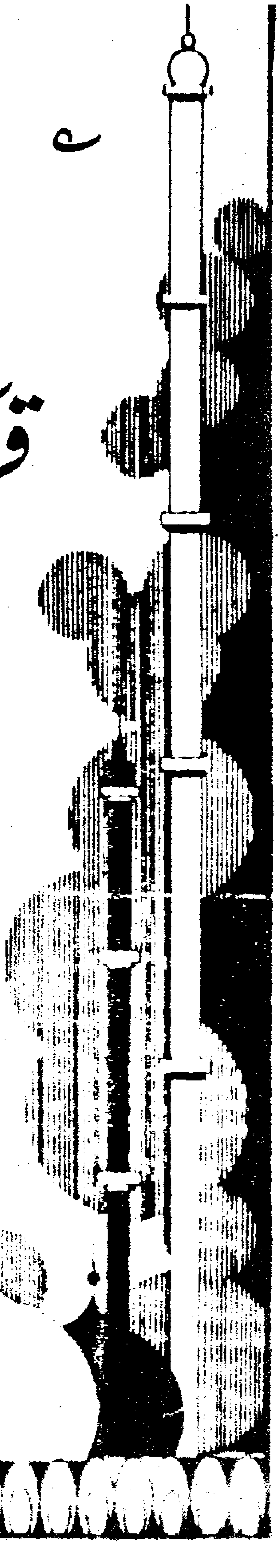

حرفِ اوّل

بعض احباب تقاضا کر رہے ہیں، کہ جن احادیث سے بنیادی طور پر حضرت مسیح کا نزول ثابت ہوتا ہے۔ اس کا جواب تو آپ نے لکھ دیا ہے لیکن جن تفسیری مرویات سے یہ لوگ حضرت عیسٰی کا رفع اور اُن کی حیات ثابت کرتے ہیں اس دوسرے رُخ کا کیا جواب ہے۔ میں نے کہا اِس عقیدے کے دو رُخ ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر اُن میں سے ایک رُخ صحیح دلائل کے ساتھ باطل ہو جائے تو دوسرے رُخ کا اثبات خود بخود باطل ہو جائے گا۔ مرویاتِ بخاری کی جس سیڑھی سے یہ حضرات حضرت عیسٰی کو نیچے اُتار رہے تھے اس سیڑھی کو امام زُہری کے تشیع اور تدلیس نے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اب جبکہ احادیث کے استناد سے آپ کا نزول بھی ثابت نہیں ہے تو قرآن کو کیا ضرورت تھی کہ ایسی مہمل بات کی تائید کرے جس سے آپ کا رفعِ آسمانی تو ثابت ہو رہا ہو، لیکن جس مقصد کے لیے آپ کو نیچے

اُتارا جارہا ہو۔ اس کی ساری ذمہ داری زُہری جیسے مُدلّس راویوں کے سپرد کردی جاتی۔ اس سے معلوم ہوا جو حضرات آپ کی حیات اور رفع آسمانی ثابت کر رہے ہیں لازماً وہ ایسے شواہد میں جب تک سقیم تاویلوں کی آمیزش نہ کریں، رفع اور حیات کا اثبات نہیں کرسکتے۔ تفصیلی مباحث سے بچ کر ہم مریب قلوب کی خلجان دور کرنے کے لیے ایک ایسی آیت کی تشریح بیان کردیتے ہیں جس کی تفہیم سے ائمہ مفسرین اور محقق محدثین ثابت کر رہے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس کائنات میں جتنے انسان موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ وہ نفوس خواہ رسولوں میں شمار ہوتے ہوں یا ولیوں میں۔ ان میں سے جس جس ہستی پر بھی بشریت کا اطلاق ہوسکتا ہے اس نص قطعیہ کے تحت اس کی حیات قطعاً ثابت نہیں ہوسکتی۔ جن کے قلوب میں تسلیم حق کی ادنیٰ خُو بھی پائی جاتی ہے، ہماری اس تحریر کے بعد اُن کے تمام ریب و شکوک ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائیں گے ہاں جن کے دلوں کو دیرینہ عصبیت نے چھلنی کر رکھا ہے ایسے گہرے زخموں پر حقائق کی جتنی مرتبہ بھی مرہم پٹی کی جائے یہ زخم بالکل مندمل نہیں ہوسکتے۔

حرفِ دوم

اس امّت کی اکثریّت اور مشائخ صوفیہ کا عقیدہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جس خضر کی ملاقات ہوئی تھی وہی خضر ابھی تک زندہ موجود ہیں۔ حیاتِ خضر کے بارے میں جن شواہد کو یہ حضرات علمی طور پر پیش کرتے ہیں وہ یہ ہیں:-

۱۔ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت خضر عہدِ نبوت میں بھی موجود تھے۔

۲۔ اس امت کے بعض اکابر اولیاء حضرت خضر سے ملاقاتیں کرتے رہے ہیں۔ ان ملاقاتوں کا ذکر اُن کی کتابوں میں اتنے تواتر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جن کی یکسر تردید کرنا اُن کی ولایت کی تکذیب کے مترادف ہے۔

اس کے برعکس اس امت کے بعض اکابر ائمہ جیّد محدّثین اور محقق مفسّرین ثابت کرتے ہیں، کہ حیاتِ خضر کا عقیدہ سراسر باطل ہے۔ وہ کہتے ہیں جن احادیث سے حیاتِ خضر ثابت ہوتی ہے ان میں سے کوئی بھی ایسی حدیث نہیں ہے جو کذب کے داغ سے خالی ہو۔ دوسرے یہ عقیدہ قرآن کی نصِّ قطعیہ کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن کی ایک آیت میں تصریح کی گئی ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے ماقبل اس کائنات میں جو
انسان موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔
حضرت خضر بھی چونکہ انسان تھے۔ وہ اس آیت کے مطابق
کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔
وہ آیت یہ ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اے نبی!
ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی اس دنیا میں زندہ باقی نہیں
رکھا۔

اب ہم آپ کے سامنے ائمہ محققین کی چند تحریریں پیش کر رہے
ہیں۔ دیکھیے کہ وہ اس آیت سے حضرت خضر کی موت کو کس طرح
ثابت کر رہے ہیں۔ جب آپ اُن کے شواہد علمیہ سے اس آیت کا
صحیح مفہوم سمجھ جائیں گے، تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ نصِ
قطعیہ ثابت کر رہی ہے کہ عہدِ نبویّہ سے پہلے کائنات
کے تمام انسان خواہ حضرت خضر ہوں یا حضرت عیسٰی
سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ قرآن کی اتنی واضح
دلیل کے بعد کوئی صاحب پھر بھی اپنی خام عصبیت پر
جما رہے تو اس پر جتنا ہی ماتم کیا جائے بہت ہی کم ہے۔

ائمہ مفسرین کا فیصلہ آپؐ سے قبل جتنے انسان موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں

قرآن مجید میں ہے :-

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ط

اے نبی! آپ سے پہلے اِس دنیا میں جتنے انسان موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ اگر آپ اِس دنیا سے رخصت ہو گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

مفسر ابو السعود اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

ای فی الدنیا لکونہ مخالفاً للحکمۃ التکوینیۃ والتشریعیۃ

یعنی آپؐ سے قبل اِس دنیا میں کوئی بشر بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ بات تکوینی اور تشریعی حکمت کے خلاف ہے۔

(تفسیر ابو السعود ص ۱۵۰، ج ٦ و تفسیر جمل ص ۱۳۴ ج ۳)

عنایۃ القاضی حاشیہ علی البیضاوی میں اِس آیت کے تحت لکھا ہے :-

لانہ یلزم من عدم تخلید احد من البشر انکار بقائھم۔ بشری وجود کی عدم تخلید سے اِن کی بقا کا انکار لازمی ہوجاتا ہے۔ (حاشیہ علی البیضاوی۔ ص ۲۵۴ ج ۵)

یعنی موت کے قانون کے بعد کوئی انسان بھی کافی طویل عرصے تک باقی نہیں رہ سکتا۔ امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔

وما خلدنا احدًا من بنی اٰدم یا محمد قبلک فی الدنیا فنخلدک فیہا، ولا بُدّ لک من ان تموت کما مات من قبلک رُسُلنا۔

اے رسول! آپ سے پہلے اس دنیا میں جتنے بنی آدم موجود تھے ان سب کو ہم فوت کر چکے ہیں۔ تو آپ کو ہم یہاں کیسے باقی رہنے دیں گے۔ یعنی جس طرح آپ سے پہلے ہمارے گزشتہ رسول فوت ہو چکے ہیں اسی طرح آپ بھی انہیں کی طرح فوت ہو جائیں گے۔

(تفسیر جریر طبری۔ ص ۲۴

مفسر ابن جریر طبری کے اِن الفاظ پر غور کریں۔ احدًا من بنی آدم یا محمد قبلک فی الدنیاء۔ یعنی آپ سے پہلے جتنے بنی آدم موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت عیسٰی بھی آپ سے قبل چونکہ بنی آدم میں شامل ہیں

اِس سے ثابت ہوا کہ وہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ پھر آپ اِن الفاظ پر غور کریں۔ ان تموت کما مات من قبلک رُسلنا۔ "جس طرح آپ سے پہلے ہمارے تمام گزشتہ رسول فوت ہو چکے ہیں، آپ بھی اسی طرح فوت ہو جائیں گے"۔ اِس سے ثابت ہو رہا ہے آپؐ سے قبل جتنے رسول موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ بھی چونکہ اِن سابقہ رسولوں میں شامل تھے لہٰذا وہ بھی دوسرے رسولوں کی طرح آپؐ سے ماقبل فوت ہو چکے ہیں کما مات من قبلک رسلنا کے الفاظ پر اگر انصاف کے ساتھ غور کریں تو آپ کی عصبیت کی خلش ذرا ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

محدثؒ ابن کثیر اِس آیت کے تحت فرماتے ہیں:۔

بقوله تعالیٰ وما جعلنا لبشر من قبلک ای محمد الخلد فی الدنیا بل کُلٌّ من علیها فان وقد استدلّ بهذه الآیة من ذهب من العلماء الی ان الخضر مات ولیس بحیٍّ الآن لانه بشر سواء کان ولیًا او نبیًا او رسولاً۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اے رسول! ہم نے آپ سے پہلے اِس دنیا میں کسی انسان کو بھی زندہ نہیں رکھا بلکہ اِس کائنات کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اِس آیت سے بعض محققین علماء ثابت

کرتے ہیں کہ حضرت خضر فوت ہوچکے ہیں۔ وہ ابھی تک زندہ نہیں ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں آپؐ سے ماقبل تمام انسانوں کی موت ثابت ہورہی ہے۔ اور حضرت خضر بھی چونکہ بشر تھے۔ خواہ وہ ولی، نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہوں۔ اس آیت کے تحت کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر جلد سوم)

مفسر حقی نازلی اپنی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:۔

والمعنی وما جعلنا لفرد من افراد الانسان من قبلك یا محمد دوام البقاء فی الدنیا ای لیس من سنتنا ان نخلد بشرا فی الدنیا وان کنا قادرین علیٰ تخلیدہٖ واستدلّ بالآیۃ من قال بان الخضر مات ولیس بحیٍ فی الدنیا۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے رسول آپؐ سے پہلے نوعِ بشر کے جتنے افراد موجود تھے وہ اس دنیا میں باقی نہیں رہے۔ یہ بات تکوینی قانون کے خلاف ہے۔ کہ ہم کسی بشر کو ہمیشہ کے لیے زندہ چھوڑ دیں۔ اگرچہ ہم باقی رکھنے پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ جو اہل علم حضرت خضر کی موت کے قائل ہیں وہ بھی اس آیت سے آپ کی موت ثابت کرتے ہیں۔

(روح البیان تحت ہذہ الآیۃ)

یہ وہی تفسیر ہے جیسا کہ محدث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

مفسر قرآن سید معین الدین اپنی تفسیر جامع البیان میں فرماتے ہیں:-

نزلت حین قالوا نتربص بمحمدٍ ریب المنون و استدل به بعضهم علی عدم بقاء الخضر۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کفار اور مشرکین آپ کی موت کی تمنا کرتے تھے۔ اس آیت سے بعض اکابر حضرت خضر کی موت ثابت کرتے ہیں۔

(تفسیر جامع البیان، ص ۲۷۹)

دیکھیے یہ تمام مفسرین لکھ رہے ہیں کہ اس آیت سے حضرت خضر کی موت ثابت ہو رہی ہے اس لیے کہ وہ ایک تو جنسِ بشر میں داخل تھے۔ دوسرا اُن کا زمانہ عہدِ نبوی سے ماقبل پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس اصول کے مطابق تو اس آیت سے حضرت عیسیٰ کی موت بھی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آپ بھی جنسِ بشر میں داخل تھے۔ اور آپ کا زمانہ بھی عہدِ نبوی سے ماقبل پایا جاتا ہے۔ اب آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ کہ نص قطعیہ کے اس اطلاق میں جسے چاہیں خارج کر دیں اور جسے چاہیں داخل کر دیں لیکن

یہ یاد رکھیں کہ بشر کی حیثیت سے تو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس آیت کے حکم سے خارج نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر جرأت کر کے آپ انھیں کسی دوسری جنس میں تبدیل کر دیں تو پھر آپ کا رفع آسمانی اور حیات ثابت کر کے اپنے مضطرب دلوں کو ٹھنڈک پہنچا سکتے ہیں۔

ائمہ محدثین کا فیصلہ آپؐ سے قبل تمام انسان فوت ہو چکے ہیں

محدثؒ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:۔

احادیث التی یذکر فیھا الخضر و حیاتہ کلھا کذب ولا یصح فی حیاتہ حدیث واحد کیف یکون ھذا وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یبقی علی رأس مائۃ سنۃ ممن ھو الیوم علی ظھر الارض احد (رواہ البخاری) وسئل عن ذلک کثیر من الائمۃ فقالوا وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد۔

جن احادیث میں خضر اور اُن کی حیات کا ذکر ہے، وہ احادیث سراسر جھوٹی ہیں۔ اُن میں سے کوئی حدیث بھی

صحیح نہیں ہے۔ یہ حیات کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ حالانکہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ آج کے دن اِس سرزمین پر جتنے انسان موجود ہیں سو برس گزرنے کے بعد ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ (بخاری)

اس کے بعد امام ابن قیّم فرماتے ہیں کہ بہت سے ائمہ کرام سے جب حیاتِ خضر کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا تو ائمہ کرام اُن کے جواب میں یہ آیت پیش کر کے حیاتِ خضر کی تردید کر دیتے تھے وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد۔ اے نبی آپ سے پہلے اِس دنیا میں جتنے انسان موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ (المنار المنیف ص ۶۷)

(۲) محدّث ابن جوزی فرماتے ہیں :۔

والدليل على ان الخضر ليس بباق في الدنيا اربعة اشياء۔ القران، والسنة، والاجماع المحققين والمعقول۔ اما القران فقوله تعالىٰ وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد۔ واما السنة قال النبي صلى الله عليه وسلم ما من نفس منفوسة ياتي عليها مائة وهي يومئذ حية۔

(رواہ مسلم)

جن دلائل سے خضر کی حیات ثابت نہیں ہوتی، وہ چار دلائل ہیں۔ ایک وہ دلیل جو قرآن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وماجعلنا لبشر من قبلك الخلد اے نبی آپ سے پہلے اس دنیا میں جتنے انسان موجود تھے، وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ دوسری دلیل صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں اس وقت جتنے انسان زندہ موجود ہیں، سو برس کے بعد ان میں سے کوئی بھی زندہ باقی نہیں رہے گا۔ (مسلم) (المنار المنیف ص ۶۹)

ورجح آخرون من المحدثین وغیر خلاف ذلك

واحتجوا بقولہ وماجعلنا لبشر من قبلك الخلد۔

جو محدثین حضرت خضر کی موت کو ترجیح دیتے ہیں، اُن کی اہم دلیل قرآن کی یہ آیت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ آپ سے قبل جتنے انسان موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر۔ ص ۹۹ ج ۳)

محدث ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

واما الذین ذھبوا الی انہ قد مات ومنھم

البخاری۔ وابراھیم الحربی۔ وابوالحسن بن المغادی

والشیخ ابوالفرج بن الجوزی فیحتج باشیاء کثیرہ منہا قولہ تعالی وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد فالخضر ان کان بشراً فقد دخل ھذا العموم ولا یجوز تخصیصہ منہ الا بدلیل صحیح۔

"جو ائمہ کرام حضرت خضر کی موت کے قائل ہیں، ان میں سے امام بخاری، ابراہیم الحربی، ابوالحسن بن المنادی اور شیخ ابوالفرج بن جوزی زیادہ مشہور ہیں۔ وہ کافی دلائل کے ساتھ حضرت خضر کی موت ثابت کرتے ہیں۔ اور قرآن کی جس دلیل سے وہ آپ کی موت ثابت کر رہے ہیں وہ آیت یہ ہے :۔

وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد

"اے نبی آپ سے پہلے اس کائنات میں جتنے انسان موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔"

وہ فرماتے ہیں حضرت خضر اگر بشر ہیں تو وہ لامحالہ اس آیت کے عموم میں داخل ہو رہے ہیں۔ حضرت خضر ہوں یا کوئی دوسرا فرد صحیح دلیل کے بغیر اس آیت سے کسی کی بھی تخصیص ثابت نہیں ہو سکتی۔ یعنی نص کے عموم کو صرف نص ہی مخصص کر سکتی ہے۔"

(البدایہ والنہایہ۔ ص ۳۳۴ ج ۱)

دیکھیے یہ تمام ائمہ محققین اِس آیت سے حضرت خضر کی وفات اس علت سے ثابت کر رہے ہیں کہ جب قرآن کی نص قطعیہ کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ آپؐ سے پہلے اس کائنات میں جتنے انسان موجود تھے وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ تو حضرت خضر بھی آپؐ سے پہلے بحیثیتِ بشر سارے انسانوں میں شامل تھے، وہ اب تک کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا آپؐ سے پہلے جن افراد پر جنسِ بشریت کا اطلاق ہو سکتا ہے خواہ وہ رسول ہوں یا ولی، لازماً اُن سب پر موت ثابت ہو جائے گی۔ ہاں حضرت عیسٰی کو اگر جنسِ بشر سے خارج کر دیں پھر تو آپ اُن کی حیات ثابت کر سکتے ہیں، ورنہ آیت کی اس عمومیت سے آپ کو لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ بشریت کی جس علت سے محققین اکابر خضر کی موت ثابت کر رہے ہیں، وہی علت حضرت عیسٰی پر بھی عائد ہو رہی ہے۔

محدث ابن جوزی فرماتے ہیں:۔

کان ابوطاهر بن الغباری یحتج بانه لو کان الخضر حیا لجاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم.

" امام ابوطاہر بن غباری حضرت خضر کی موت پر ایک

یہ دلیل بھی دیتے تھے کہ اگر آپ زندہ ہوتے تو عہدِ نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضرور آکر ملاقات کرتے۔

(البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۵ ج ۱)

ھم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر حضرت عیسٰی زندہ ہوتے تو آپ کا بھی حق تھا کہ آسمان سے اتر کر آپؐ سے ضرور ملاقات کرتے، کچھ دن رہ کر آپؐ سے شریعتِ اسلامیہ کی تعلیم حاصل کر کے واپس آسمان پر چلے جاتے پھر جب اس امت کو آپ کی ضرورت ہوتی تو نیچے آتے۔ اس طرح صحابہ کرام جب نزول کے بارے میں حضرت عیسٰی کے عینی گواہ بن جاتے۔ اس کے بعد ہمیں پھر ان مخدوش روایتوں پر اعتماد کرنے کی قطعاً ضرورت باقی نہ رہتی اور نہ مرزا صاحب کو یہ ثابت کرنا پڑتا کہ جس مسیح کے نزول کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اسرائیلی مسیح نہیں ہے بلکہ اس سے مراد میری بروزی نبوت کا ظہور ہے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اسلام کی خدمت جس طرح میں نے کی ہے اگر اسرائیلی مسیح اِس امت میں آتا تو وہ اتنی خدمت نہ کر سکتا تھا۔ خدمت کے آثار تو ظاہر ہیں۔ قادیان جوان کا مرکزی حرم محترم ہے، وہ رام داسیوں نے چھین لیا ہے۔ پھر ربوہ کو دار الہجرۃ بنایا تھا

کہ بقیہ اسلام یہاں پھیلائیں گے۔ لیکن وہ یہاں آکر اتنے پریشان ہوئے کہ ان کے قدسی جانشینوں کو یہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ جو حضرات نزول مسیح کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں۔ جب تک حضرت عیسیٰ اور مہدی نہ آئیں گے اس دنیا کا کوئی باسی بھی سکون نہیں پا سکتا۔ اس لیے وہ اب تک بدمزگی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن مرزائی لوگوں کی تمنا تو پوری ہو چکی ہے کہ ان میں نزول مسیح کب کا ہو چکا ہے اس کے بعد وہ کیوں اتنے انتشار و اضطراب میں گرفتار نظر آتے ہیں۔

حیات مسیح کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کا مسلک

بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھنے والے احباب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان مسالک کے جتنے اکابر گزرے ہیں، وہ سب کے سب شاہ ولی اللہ کے خاندان کے ساتھ شرف تلمذ رکھتے ہیں۔ اس لیے ان تمام مسالک میں آپ کا بے حد احترام کیا جاتا ہے آپ نے عربی زبان میں قرآن مجید کی ایک مختصر تفسیر

لکھی ہے۔ جس کا نام فتح الخبیر ہے۔ اُس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:۔

جمعت من اصح تفاسیر المحدثین

اسے میں نے محدثین کی سب سے زیادہ صحیح تفسیروں سے جمع کیا ہے۔

وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"انی متوفیک کا صحیح مفہوم ممیتک ہے۔"

آپ کی اس تفسیر سے صریحاً حضرت عیسٰی کی موت ثابت ہورہی ہے۔

(تفسیر فتح الخبیر آل عمران)

مولانا عبیداللہ سندھی جو حضرت شاہ ولی اللہ کے مسلک اور فلسفے کے مشہور داعی ہیں وہ بھی اُن کی پیروی کرتے ہوئے اپنی تفسیر الہام الرحمٰن میں لکھتے ہیں:۔

ومعنی متوفیک ممیتک واما ما شاع بین الناس من حیاۃ عیسٰی فھی اسطورۃ یھودیۃ وصابئیۃ۔

متوفیک کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ میں تجھے طبعی موت دینے والا ہوں۔ حیاتِ مسیح کا عقیدہ جسے عام شہرت حاصل ہے یہ عقیدہ یہودیوں اور فرقہ صابئیہ کے نظریات

سے ماخوذ ہے۔"

(الہام الرحمٰن، ص ۴۹ ج ۲)

مولانا آزاد بھی حیاتِ مسیح کے بارے میں کافی عرصہ تک کشمکش میں مبتلا رہے۔ آخر میں انہوں نے حتمی فیصلہ کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"قرآن سے صریحاً حضرت عیسٰی کی موت ثابت ہوتی ہے۔"

(ملفوظاتِ آزاد، ص ۱۲۷)

علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

"مشہور سکالر شپنگلر لکھتے ہیں کہ مسلمان مجوسی اقوام میں شامل ہیں اس لئے کہ یہ لوگ کسی آنے والے نبی کے منتظر رہتے ہیں۔ میں نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا۔ مسلمان کسی آنے والے نبی کے منتظر نہیں ہیں۔ اس لیے کہ یہ بات قرآن سے ثابت نہیں ہے۔"

(ملفوظاتِ اقبال، ص ۱۴۲)

؎

مرید سادہ دل تو رو رو کے ہوگیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

وان من اہل الکتٰب کی آیت سے نزولِ مسیح کی تردید

بخاری اور مسلم کی جس حدیث سے نزولِ مسیح ثابت کیا گیا ہے اُس حدیث میں اس نظریے کی تائید میں بطور الحاق ایک آیت بھی پیش کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اس حدیث کے الفاظ سے نزولِ مسیح ثابت ہو رہا ہے اسی طرح قرآن میں بھی اس نظریے کا ثبوت موجود ہے۔ اس آیت کے الحاق کو ایک مشہور صحابی کی طرف منسوب کیا گیا ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ یہ آیت اگر اپنے مفہوم میں قطعی الدلالۃ نہ ہوتی تو صحابۂ کرام رض اس آیت سے نزولِ مسیح کیسے ثابت کرتے[1] اس لیے

---

[1] دیکھیے مولانا محمد ادریس کاندھلوی حضرت ابو ہریرہ رض کی اس الحاقی آیت سے مرعوب ہو کر کس طرح اس عقیدے کے (باقی ص۲۱ پر)

جو اکابر نزولِ مسیح کے عقیدے کے قائل تھے، صحیحین کی اس روایت سے متاثر ہو کر اپنے اس نظریے کی تائید میں اس آیت کو بطور استناد پیش کرتے رہے ہیں۔ اس آیت کی صحیح تفہیم میں چوں کہ کافی اہلِ علم ایک بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ مستند شواہد کے ساتھ اس غلط فہمی کو قدرے دور کر دیا جائے۔

اب اس حدیث کا اصل متن اور اس کی مخدوش سند ملاحظہ فرمائیں:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پائے چوبیں مضبوط کر رہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

"ایک صحابی کا صحابہ کرام کے مجمع میں کسی بات کو علی الاعلان کہنا اور صحابہ کرام کا اس پر سکوت فرمانا یہ اجماعِ سکوتی کہلاتا ہے اور صحابہ کرام کا یہ اجماع بہ اتفاق علمائے امت حجت قاطعہ ہے اور خصوصاً وہ بات کہ جو بار بار اور مختلف مجامع میں کہی گئی اور صحابہ کرام نے اس پر کوئی اعتراض نہ فرمایا ہو، اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ امر صحابہ کے نزدیک بالکل مسلّم ہے۔ اگر قابل انکار ہوتا تو ضرور صحابہ اس پر انکار فرماتے۔ صحابہ کرام سے یہ ناممکن ہے کہ ان کے سامنے کوئی قول منکر کہا جائے اور وہ اس پر انکار نہ فرمائیں۔" (حیاتِ عیسیٰ۔ صفحہ ۶)

حدثنا اسحٰق انا یعقوب بن ابراھیم ثنا ابی صالح عن ابن شھاب ان سعید بن المسیب سمع ابو ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکمًا عدلًا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الحرب و یفیض المال لا یقبلہ احدٌ حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابوھریرۃ واقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیٰمۃ یکون علیھم شھیدًا۔ (بخاری شریف صفحہ ۴۹ ج ۱)

ترجمہ :۔ "سعید بن المسیّب حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ وقت ضرور آئے گا جب تم میں ابن مریم حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہوکر صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جنگ کا خاتمہ کریں گے۔ اُس عہد میں مال و دولت کی ایسی فراوانی ہوگی کہ کوئی اسے قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا وما فیہا سے بہتر ہوگا۔

پھر حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیٰمۃ یکون علیھم شھیدًا یعنی تمام اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت عیسٰی کی تصدیق کریں گے۔ اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اُن اہل کتاب کے خلاف گواہی دیں گے۔
اور یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل میں اس طرح بیان کی گئی ہے :۔

حدثنا عبداللہ قال حدثنی یزید انا سفیان عن الزھری عن حنظلۃ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل عیسی بن مریم فیقتل الخنزیر ویمحو الصلیب الی ان قال ثم تلا ابو ھریرۃ وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیٰمۃ یکون علیھم شھیدًا ۔ فزعم حنظلۃ ان ابا ھریرۃ قال یومن بہ قبل عیسٰی فلا ادری ھذا کلہ حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم او شئی قالہ ابو ھریرۃ۔

(مسند امام احمد بن حنبل ص ۲۹ ج ۲)

دیکھیے اِس حدیث میں امام زُھری نزول مسیح کو حضرت حنظلہ سے روایت کررہے ہیں۔ آخر میں حضرت حنظلہ پریشان ہوکر فرماتے ہیں "میں نہیں جانتا کہ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ مفہوم کہ ہر کتابی نزول مسیح کے وقت ایمان لائے گا، اِس حدیث کے سارے الفاظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں یا اِس آیت کو حضرت ابوھریرہ نے اپنی طرف سے الحاق کرکے نزول مسیح کی تائید میں چسپاں کررہے ہیں۔ دیکھیے حضرت حنظلہ نے یہ حدیث خود حضرت ابوھریرہ سے سُنی تھی۔ چوں کہ اِس آیت کے مفہوم سے نزول مسیح کی قطعًا تائید

نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ الحاقی آیت کی وجہ سے متردّد ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کے سارے متن میں انتہائی سقیم غرابت پائی جاتی ہے۔ جس میں کسی مخدوش راوی کا دخل معلوم ہوتا ہے۔

اب آپ اس حدیث کی سند ملاحظہ فرمائیں کہ اس کا مرکزی راوی "امام زہری" ہے۔

ہم اپنی کتاب "اسلام میں نزولِ مسیح کے تصوّر" میں اس حدیث کی سند پر ایک تحقیقی بحث کر چکے ہیں جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ امام زہری کی عادت تھی کہ وہ حدیث کی تبیین میں بعض دفعہ تدلیس، ادراج اور ارسال سے کام لیتا تھا۔ بعض ائمہ رجال لکھتے ہیں کہ وہ تشیّع کے ساتھ متّہم تھا۔ اس سے معلوم ہوا جو حدیث سنداً ایسی مخدوش ہو اس سے کسی بنیادی عقیدے کی تعمیر نہیں ہو سکتی۔

ائمہ اصول لکھتے ہیں کہ ظنی مرویات سے کوئی بنیادی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عقیدے کے اثبات کے لیے نصِّ قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سند کی کمزوری کی وجہ سے اس حدیث کے اصل الفاظ سے نزولِ مسیح کا اثبات جب مخدوش ہو کر رہ جاتا ہے۔ تو اس نظریے کی تائید میں جس

آیت کا الحاق کیا گیا ہے اِس الحاق کو صحت کے ساتھ حضرت ابوھریرہ کی طرف کیسے منسوب کر سکتے ہیں. کیوں کہ اِس آیت کے الفاظ جس متعین مفہوم کی وضاحت کر رہے ہیں اس میں نزولِ مسیح کی تائید میں ایک ادنیٰ اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔ کیا کوئی صحابی ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ عہدِ نبوت میں قرآن کے مفہوم کو ایسے انداز سے پیش کرے جو سراسر معنوی تحریف کے مترادف ہو؟۔

اس سے معلوم ہوا کہ اِس آیت کے الحاق سے جس سقیم مفہوم کا استنباط کیا گیا ہے، ایسی بات کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کی ساری ذمہ داری مخدوش راویوں پر عائد ہوتی ہے۔ اب ہم اس آیت کے صحیح مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں۔

وان من اھل الکتاب الخ کا صحیح مفہوم

وان من اھل الکتاب الاّ لیؤمنن بہ قبل موتہ
ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا ۵

ترجمہ :۔ تمام اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حق و صداقت کے ساتھ ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن ان کا رسول ان پر گواہی دے گا۔

اس آیت کی توضیح سے پہلے قرآن کی ایک دوسری آیت کا مفہوم سمجھ لیں۔ اس میں ایک اصولی بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور اِن مِنْ اَھْلِ الکتاب کی آیت میں اس اصولی کلیے کی ایک جزوی تشریح بیان کی گئی ہے۔ جب آپ اس اصول کی تعبیر سمجھ جائیں گے تو اس کی جزوی تفہیم بالکل آسان ہو جائے گی۔

قرآن میں ہے :۔

فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبًا او کذّب بایاتہ اولٰئک ینالھم نصیبھم من الکتٰب حتی اذا جاءتھم رُسُلنا یتوفونھم قالوا این ما کنتم تدعون من دون اللہ قالوا ضلّوا عنّا

وشهدوا علی انفسهم انهم کانوا کافرین ۵

(الاعراف ۳۷)

ترجمہ۔ اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کی تکذیب کرے ۔ ان لوگوں کے نصیب میں جو سزا لکھی جا چکی ہے وہ انہیں ضرور ملکر رہے گی ۔ یہاں تک کہ اس دنیا میں جب ان کے پاس ہمارے فرشتے بھیجے ہوئے جان قبض کرنے کے لیے آئیں گے تو وہ ان مشرکین سے پوچھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر تم جن معبودوں کی پرستش کیا کرتے تھے وہ کہاں چلے گئے ہیں (انہیں پکارو تاکہ وہ اس شدت میں تمہاری مدد کر سکیں) وہ پریشان ہوکر جواب دیں گے ۔ کہ ہمیں جن سے کافی امیدیں تھیں وہ اس وقت ہم سے غائب ہوگئے اس کے بعد وہ اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم اپنے باطل عقائد کی وجہ سے کافر تھے ۔ (اعراف ۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں جتنے انسان کفر اور شرک کی حالت میں مرتے ہیں ، موت کے فرشتے ان سے سوال کرتے ہیں کہ تمہارا عقیدہ تھا کہ ہمارے معبود

ہماری ہر مصیبت دور کر سکتے ہیں۔ دیکھو اس وقت تم موت کی کتنی شدت میں گرفتار ہو، اب تم انہیں پکارو تاکہ وہ تمہارے کام آسکیں۔ وہ پریشان ہو کر جواب دیں گے کہ وہ معبود بالکل جھوٹے تھے اس لیے وہ ہم سے بھاگ گئے۔ اب ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں ہے اور نہ کوئی مصیبت دور کر سکتا ہے۔ اِس سے پہلے ہم واقعی پکے کافر اور مشرک تھے۔ دیکھیے اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت ہر کافر اور مشرک اپنے باطل عقیدے سے رجوع کر لیتا ہے۔ لیکن اُس کا یہ اعتراف اس لیے قابلِ قبول نہیں ہوتا کہ انسان موت کے وقت جب ملائکہ کا مشاہدہ کر لیتا ہے اُس وقت وہ خواہ کتنی ہی توبہ کرے نہ اُس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے اور نہ اس وقت اسے کسی صداقت کا اظہار کام آسکتا ہے۔

اسی طرح یہود و نصاریٰ بھی اپنے عقیدے کی وجہ سے مشرکین میں شمار ہوتے ہیں اِس لیے اس آیت کے تحت وہ بھی موت کے وقت اپنے باطل عقیدے سے اسی طرح رجوع کریں گے جس طرح دنیا کے دوسرے مشرکین اپنے باطل ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس آیت میں تمام مشرکین کی عمومی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور جس آیت میں اہلِ کتاب کی

موت کا بیان کیا گیا ہے، اس آیت میں اس عموم کی ایک جزوی تشریح بیان کی گئی۔ گویا یہ دونوں آیات ایک دوسرے کی تفسیر کر رہی ہیں۔

مسیحیت کے ایک مشہور پادری نے اعتراض کیا تھا کہ وَاِن من اہل الکتاب سے ثابت ہو رہا ہے کہ اہل کتاب صحیح عقیدے پر مرے گا۔ جب ہم اہل جنت میں شمار ہوتے ہیں تو پھر مسلمان ہم پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ امام محدث شہاب الدین قرافی نے اس بشپ کے جواب میں لکھا تھا کہ تم آیت کی تفہیم میں تحریف سے کام لے رہے ہو۔ بلکہ اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

ان کل کافر اذا عاین الملائکۃ عند قبض روحہ ساعۃ الموت ظہر لہم منہ الانکار علیہ بسبب ما کان علیہ من الکفر فیقطع حینئذ بفساد ما کان علیہ و یومن بالحق علی ما ھو علیہ فان دار الاخرۃ لا یبقی فیہا تشکک ولا ضلال بل یموت الناس کلھم مؤمنین موحدین علی قدم الصدق و منہاج الحق وکذلک یوم القیامۃ بعد الموت لکنہ ایمان لا ینفع ولا یعتد بہ و انما یقبل الایمان من العبد حیث یکون

متمسکًا من الکفر فاذا عدل عنہ وامن بالحق
کان ایمانہ من کسبہ وسعیہ فیؤجر علیہ
اَمّا اذا اضطرہ الیہ فلیس فیہ اجر۔ فما من
احد من اھل الکتاب الا یومن نبوّتہ عیسٰی
علیہ السلام وعبودیتہ للہ تعالیٰ قبل موتہ
لکن قہرًا لا ینفعہ فی الخلوص من النیران و غضب
الدیّان۔

(الاجوبۃ الفاخرۃ، ص۴۲)

امام قرافی فرماتے ہیں:۔
ہر کافر جب موت کے وقت روح قبض کرنے والے ملائکہ کا مشاہدہ کرے گا تو دنیا میں وہ جس قدر حق سے اعراض کرتا تھا اس وقت اسے اپنے اس کفر و شرک کی ساری حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ اس کے بعد وہ ایمان کی اصل حقیقت پہ ایمان لائے گا اور سابقہ عقیدے سے انکار کر دے گا۔ جس وقت موت کی حالت کا آغاز ہو جاتا ہے، اس ساعت سے لے کر آخرت کے آخری محاسبے تک یہ سارا عرصہ حشر میں شمار ہوتا ہے۔ ہر کافر کے ذہن میں حق کے بارے جتنے تردد و شکوک موجود ہوتے ہیں وہ سب کے سب دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ سارے کافر مخلص موحد

بن جاتے ہیں۔ چوں کہ اس وقت ہر کافر و مشرک اپنے اُخروی محاسبے کا اچھی طرح مشاہدہ کر لیتا ہے اس لیے ان کے اس اضطراری ایمان کی وہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ ایمان کی قبولیت کا تشریعی قانون یہ ہے کہ وہ کفر و شرک پر پوری طرح متمکن ہو۔ پھر اس سے اعراض کر کے اپنے پورے اختیار اور پوری کوشش سے حق کو قبول کرے۔ ایسے ایمان پر پورا اجر مل جاتا ہے۔ پس ان من اھل الکتاب الخ کی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرے کافروں کی طرح جب کوئی اہل کتاب مرتا ہے تو سابقہ عقیدے سے اعراض کر کے حضرت عیسیٰ کی عبودیت اور ان کی رسالت کا پوری طرح اعتراف کر لیتا ہے۔ لیکن اس کا یہ اعتراف حالت اضطراری میں ہوتا ہے اس لیے وہ خدا کے غضب اور جہنم کی آتش سے نہیں بچ سکتا۔

(الاجوبۃ الفاخرہ صہ ۴۲) (از محدث قرآنی)

حضرت ابوہریرہؓ کی الحاقی آیت کا جواب

(از مفسر قاضی ثناء اللہ پانی پتی)

حضرت ابوہریرہ کی الحاقی آیت کے مفہوم سے جو نزول مسیح کی تائید ہوتی ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کا رد فرماتے ہوئے آیت کا جو صحیح مفہوم ہے اس کی حقائق کے ساتھ وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:-

وروی عن عکرمۃ ان الضمیر فی بہ یرجع الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقیل راجعۃ الی اللہ عزّ و جلّ والمآل واحد فان الایمان باللہ لا یعتد ما لم یومن بجمیع رسلہ والایمان بمحمّد صلی اللہ علیہ وسلم یستلزم الایمان بعیسٰی علیہ السلام قبل موتہ۔

والحاصل انہ لا یموت کتابی حتی یؤمن باللہ عز وجل وحدہ لا شریک لہ وان محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم عبدہ ورسولہ وان عیسٰی عبد اللہ ورسولہ۔

وقال الضمیران بعیسیٰ والمعنی انہ اذا نزل آمن بہ اھل الکتاب اجمعون ولا یبقی احد الا لیؤمننّ بہ وھذا التاویل مروی عن ابی ھریرۃ لیکن کونہ مستفاداً من ھذہ الآیۃ۔ وتاویل الآیۃ بارجاع الضمیر الثانی الی عیسیٰ ممنوع انما ھو زعم من ابی ھریرۃ لیس ذلک فی شیٔ من الاحادیث المرفوعۃ وکیف یصح ھذا التاویل مع ان الکلمۃ انّ من اھل الکتاب شامل للموجود فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ البتۃ سواءٌ کان ھذا الحکم خاصًا بھم اولا فان حقیقۃ الکلام للحال والاوجہ لان یراد بہ فریق من اھل الکتاب یوجدون حین نزول عیسیٰ علیہ السلام فالتاویل الصحیح ھو الاوّل ویؤیدہ قراءۃ اُبیّ بن کعب اخرج ابن المنذر عن ابی ھاشم وعروۃ قال فی مصحف ابی ابن کعب وان من اھل الکتاب الا لیؤمننّ بہ قبل موتھم۔

(تفسیر مظہری ص۲۳۱)

ترجمہ:۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ لیؤمننّ بہ کی ضمیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی طرف

راجع ہے۔ ان دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی جب تک اُس کے تمام رسولوں کے ساتھ ایمان نہ لایا جائے۔ اسی طرح کوئی کتابی جب اپنی موت سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا تو لازماً اُسے حضرت عیسٰی پر بھی ایمان لانا پڑے گا۔ اِس کا ماحصل یہ ہے کہ عہدِ نبوت کے بعد جو کتابی بھی مرے گا، وہ موت کے وقت جب ملائکہ کا مشاہدہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی توحید، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور حضرت عیسٰی کی عبودیت و رسالت پر ضرور ایمان لائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں ضمیریں حضرت عیسٰی کی طرف راجع ہیں۔ اب اِس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ نزولِ مسیح کے وقت جتنے اہلِ کتاب موجود ہوں گے، آپ کی موت سے پہلے وہ سب کے سب آپ پر ایمان لائیں گے۔ یہ تاویل حضرت ابوھریرہ کے اس مفہوم سے مستفاد ہوتی ہے، جس غرض سے آپ نے اِس آیت کو حدیث کے الفاظ کے ساتھ لاحق کیا تھا۔ اس آیت میں قبل موتہ کی ضمیر کو حضرت عیسٰی کی طرف راجع کرکے اِس سے نزولِ مسیح ثابت کرنا بالکل درست نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف ابوھریرہ کا وہم وگمان ہے کسی مرفوع حدیث میں بھی اس آیت کا یہ معنیٰ بیان نہیں کیا گیا

کہ نزول کے وقت سارے اہلِ کتاب حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں گے۔ یہ مفہوم اس لیے غلط ہے کہ یہ آیت عہدِ رسالت میں اُتری تھی۔ جتنے اہلِ کتاب ہیں وہ اپنی موت سے پہلے حق وصداقت پر ایمان لائیں گے۔ تو اس میں وہ اہلِ کتاب بھی شامل ہیں جو عہدِ نبویّہ میں موجود تھے۔ اور وہ بھی جو آپؐ کے بعد تاقیامت موجود رہیں گے۔ (اب جو اہلِ کتاب عہدِ نبوت میں فوت ہوتے تھے، آپ بتلائیں کہ وہ موت کے وقت کس رسول پر ایمان لائیں گے کیوں کہ آپؐ کی رسالت کے بعد صحیح ایمان یہ ہے کہ توحید اور آپؐ کی رسالت پر ایمان لایا جائے۔ اگر اہلِ کتاب بعثتِ نبویّہ کے بعد صرف حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں گے اور آپؐ کی رسالت کا اقرار نہ کریں گے تو لازماً اُن کا یہ ایمانی اعتراف صحیح تصور نہ کیا جائے گا) اس سے ثابت ہوا کہ جب اس آیت میں عہدِ رسالت کے اہلِ کتاب بھی شامل ہیں تو اس آیت میں صرف اُن اہلِ کتاب کو شامل کرنا جو نزولِ مسیح کے وقت موجود ہوں گے، اِس آیت کے حقائق کے بالکل منافی ہے۔

پس اس کا صحیح مفہوم یہ ہے جو حضرت عکرمہ سے

قول میں بیان کیا گیا ہے۔ اس مفہوم کے لیے حضرت ابی بن کعبؓ کی قراءت بھی تائید کرتی ہے۔ ابن منذر، حضرت ابوہاشم اور حضرت عروہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مصحفِ ابی بن کعبؓ میں اس آیت کو اس قراءت کے ساتھ لکھا گیا ہے:۔

وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موتهم۔

کہ جتنے اہلِ کتاب مریں گے وہ اپنی موت سے پہلے توحید، رسالتِ نبویہ اور حضرت عیسٰی پر ایمان لائیں گے۔

(تفسیر مظہری صا۳۱۷)

قبل موته کی ضمیر ایک فرد کی موت ثابت کر رہی ہے اس سے یہ مؤول حضرات ثابت کرتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عیسٰی نزول کے بعد جب اس دنیا میں فوت ہوں گے تو اس سے قبل جتنے اہلِ کتاب موجود ہونگے وہ سارے مسلمان ہو جائیں گے۔ اب جب کہ اس قراءۃ میں قبل موتھم کا جملہ استعمال کیا گیا ہے تو اس سے یہ نظریہ بالکل ختم ہو گیا۔ اب اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ جتنے اہلِ کتاب خواہ وہ عہدِ نبوی میں موجود تھے یا اب موجود ہیں وہ سب کے سب اپنی موت سے پہلے توحید اور تمام نبیوں کی رسالت پر جس میں حضرت عیسٰی بھی شامل ہیں ایمان

لاتے رہیں گے۔ لیکن یہ ایمان انہیں اس لیے نفع نہیں دے گا کہ قبولیت کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

آیت کے مفہوم میں اسلاف کی اکثریت کا مسلک

اسلاف کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ جو حضرات قبل موتہ کی ضمیر کو حضرت عیسٰی کی موت کی طرف راجع کر کے اس سے آپ کا نزول ثابت کرتے ہیں، یہ مسلک صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس ضمیر کو کتابی کی طرف راجع کیا جائے قبل موتھم کی ضمیر جمع اسی نظریے کی تائید کرتی ہے۔

محدث امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں:۔

ورجح جماعۃ ھذا المذھب بقراءۃ ابی بن کعب الا لیؤمنن بہ قبل موتھم ای اھل الکتاب قال النووی معنی الآیۃ علی ھذا لیس من اھل الکتاب اذ یحضرہ الموت الا آمن عند المعاینۃ قبل خروج روحہ بعیسٰی علیہ السلام وانہ عبد اللہ ولکن لا ینفعہ ھذا الایمان فی

تلك الحالة كما قال اللہ عزّ وجلّ ولیست التوبۃ للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الآن۔

(فتح الباری ص۳۵۷ ج۶)

ترجمہ:۔ اکابر کی ایک جماعت نے ابی بن کعب کی قرارت کی بنا پر اس قول کو راجح قرار دیا کہ قبل موتہ کی ضمیر کتابی طرف راجع ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں، اب اس قول کی بنا پر اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر اہل کتاب اپنی روح نکلنے سے پہلے اس بات پر ایمان لے آتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول تھے۔ مگر ایسی حالت میں ایمان ان کو مفید اور نافع نہیں ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔ یعنی جب موت آجائے تو اُس وقت توبہ قبول، نہیں ہوتی۔

(فتح الباری ص۳۵۷ ج۶)

اس آیت کے مفہوم میں مفسرین کا اختلاف

صحیحین میں حضرت ابوھریرہ کی الحاقی آیت سے جو مفہوم مستفاد ہوتا ہے اگر وہ قطعی الصحت ہوتا تو بعد کے

مفسرین اس آیت کے مفہوم میں مختلف آراء کے ساتھ اس قدر اختلاف کیوں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی تفہیم میں مفسرین کا وہ قول راجح ہوگا جو آیت کے قطعی الصحۃ مفہوم پر دلالت کرتا ہو۔ اس لیے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کا ہر کتابی مشرک جب مرے گا تو اس وقت وہ اپنے غلط نظریے سے انحراف کر کے صحیح عقیدے کا اعتراف کریگا۔ اب مفسرین کی آراء ملاحظہ فرمائیے۔ اگر یہ آیت صرف نزولِ مسیح ہی کو ثابت کرتی تو اس بنیادی عقیدے کے خلاف ائمہ مفسرین اس آیت کے مفہوم میں اس قدر اختلاف نہ کرتے۔

محدث ابن کثیر لکھتے ہیں :-

قال ابن جریر اختلف اهل التأویل فی معنی ذلك فقال بعضهم معنی ذلك وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته یعنی قبل موت عیسٰی وقال آخرون یعنی بذلك وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن قبل موت الکتابی اذا عاین علم الحق من الباطل - قال علی بن ابی طلحة عن ابن عباس فی الآیة قال لا یموت یهودی حتی یومن عیسٰی - وقال آخرون معنی ذلك وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن بمحمدٍ

قبل موت الکتابی۔

(تفسیر ابن کثیر ص ج ۳)

ترجمہ :۔ مفسر ابن جریر فرماتے ہیں۔ اِس آیت کے مفہوم میں مفسّرین کا زبردست اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو اہلِ کتاب نزولِ عیسٰی کے وقت موجود ہوں گے، وہ حضرت عیسٰی کی موت سے پہلے ایمان لائیں گے۔ اور بعض مفسّرین کے نزدیک اِس کا مفہوم یہ ہے کہ موت کے وقت جب اہلِ کتاب ملائکہ کا مشاہدہ کریں گے تو حضرت عیسٰی کی عبودیت اور رسالت کا اعتراف کریں گے۔ حضرت علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں کہ ہر اہل کتاب اپنی موت کے وقت حضرت عیسٰی پر ایمان لاوے گا۔ اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس امت کے تمام اہلِ کتاب اپنی موت سے قبل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائیں گے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص)

امام زمخشری اپنی تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں:۔

وان مِن اھل الکتاب احد الا لیؤمنن بہ قبل موتہ بعیسٰی وبانہ عبد اللہ ورسولہ یعنی اذا عاین قبل ان تزھق روحہ حین لا ینفعہ

ایمانہ لانقطاع وقت التکلیف۔ قال عکرمۃ ولا تخرج روحہ حتی یومن بہ وتدل علیہ قراءۃ ابی بن کعب الا لیؤمنن بہ قبل موتھم۔ وقیل الضمیران لعیسیٰ یعنی قبل موت عیسیٰ ھم اھل الکتاب الذین یکونون فی زمان نزولہ۔ وقیل الضمیر فی بہ یرجع الی اللہ تعالیٰ وقیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(تفسیر کشاف۔ ص۳۳۵ ج۱)

اس کا ملخص مفہوم یہ ہے :۔

ہر اہلِ کتاب موت کے وقت اپنی روح نکلنے سے پہلے جب ملائکہ کا معائنہ کرے گا، تو اُس وقت اقرار کرے گا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور سچے رسول ہیں۔ لیکن یہ اقرار اُسے اس لیے نفع نہ دے گا کہ ایمان کی قبولیت کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ حضرت عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت اُبَی بن کعب کی قراءۃ قبل موتھم سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ تمام اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں گے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہیں۔ یعنی نزول کے وقت تمام کتابی حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں گے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ لیؤمنن بہ

کی یہ ضمیر اللہ کی طرف یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یعنی عہدِ نبوت کے بعد تا قیامت جتنے اہلِ کتاب ہیں وہ سب کے سب موت کے وقت توحید اور رسالتِ نبویہ پر ایمان لائیں گے۔

(تفسیر کشاف۔ صفحہ ۳۳۵ ج ۱)

امام نسفی اپنی تفسیر مدارک میں لکھتے ہیں :-

والمعنی ما من الیھود والنصاری احد الا لیومنن بہ قبل موتہ لعیسیٰ وبانہ عبد اللہ ورسولہ وروی ان الضمیر فی بہ یرجع الی اللہ تعالیٰ او الی محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم والضمیر الثانی الی الکتابی۔

(تفسیر مدارک ص)

اِس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر یہودی اور نصرانی اپنی روح نکلنے سے پہلے اِس بات پر ایمان لے آتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ کے بندے اور سچے رسول تھے۔ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں لیؤمننّ بہ کی ضمیر اللہ تعالےٰ کی طرف راجع ہے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ اب اِس آیت کا مفہوم یہ ہوگا، کہ ہر کتابی اپنی موت کے وقت اللہ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

رسالت پر ایمان لائے گا، اس طرح قبل موتہ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہوگی۔

(تفسیر مدارک ص ـــــ)

اسی طرح آپ جس تفسیر کو بھی اٹھائیں گے آپ کو ان ضمائر کے مراجع میں کافی اختلاف نظر آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن اپنی قطعی تفہیم میں زُہری جیسے مخدوش راویوں کی سقیم تاویلیں قبول نہیں کرتا۔

اِس آیت کے مفہوم میں حضرت تھانوی کا فیصلہ

حضرت تھانوی صاحب اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس آیت سے حضرت عیسٰی کا نزول ثابت نہیں ہوتا۔

آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:۔

وإن من أهل الكتاب الّا ليؤمننّ به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا۔

ترجمہ:۔ کوئی شخص اہلِ کتاب (یعنی یہودیں) سے (باقی) نہیں رہتا۔ مگر وہ عیسٰی علیہ السلام (کی نبوت) کی اپنے مرنے سے (ذرا) پہلے (جب کہ عالم برزخ نظر آنے لگتا ہے) ضرور

تصدیق کر لیتا ہے۔ (گو اُس وقت تصدیق نافع نہیں مگر ظہورِ بطلان کے لیے تو کافی ہے۔ تو اس سے اگر اب ہی ایمان لے آویں تو نافع ہو جاوے)۔ اور (جب دنیا و برزخ دونوں ختم ہو چکیں گی یعنی) قیامت کے روز وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) ان منکرین کے (انکار پر) گواہی دیں گے۔

(تفسیر بیان القرآن ج ۱۲ ص ۳۴۴)

نزولِ مسیح میں اکابرین کا اضطراب

بعض اکابر یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ قرآن سے تو صریح طور پر حضرت عیسیٰ کی موت ثابت ہے لیکن احادیث میں نزولِ مسیح کے بارے میں اتنی تشہیر ہو چکی ہے کہ وہ اس تشہیر کی یکسر تغلیط نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے یہ روش اختیار کی کہ جب وہ اس بحث کو قرآن کے مفہوم میں بیان کرتے تو وہاں حضرت عیسیٰ کی موت ثابت کر دیتے، اور مرعوبیت کی وجہ سے جب اس نظریے کی تشہیر کی طرف نظر کرتے تو احادیث سے نزولِ مسیح ثابت کر دیتے۔

ہم اُن کی اس دو رُخی روش پر قطعاً فیصلہ نہیں کر سکتے کہ

وہ کس نیت کی بنیاد پر اس روش کو اختیار کر رہے تھے۔ بلکہ ہم ان کا ایک عظیم احسان سمجھتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کے حقائق کو تو بالکل مجروح نہیں ہونے دیا۔ باقی رہی احادیث کی بات، انہوں نے ان کے ساتھ سند بھی بیان کر دی ہے تاکہ راویوں کی ثقاہت اور جراحت کے بعد آنے والے خود فیصلہ کر لیں کہ اُن میں سے کون سی بات صحیح ہے اور کون سی بات غلط۔ اَب اُن کے نظائر ملاحظہ فرمائیے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ نزولِ مسیح مرویات بھی بیان کی ہیں۔ دوسری طرف جہاں قرآن کی تفسیری مرویات درج کی ہیں تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قرآن کے ساتھ صریح موت بھی ثابت کر رہے ہیں۔ امام بخاری کتاب التفسیر میں سورہ مائدہ کے باب میں لکھتے ہیں:۔

قال ابن عباس قولہ تعالیٰ متوفیك۔ ممیتك۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یا عیسیٰ انی متوفیك کا مفہوم یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے موت دینے والا ہوں۔ امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ انی متوفیک کی آیت تو آل عمران میں ہے۔ امام بخاری نے اس تفسیری معنی کو وہاں کیوں نہیں درج کیا۔ اور اسے سورۃ مائدہ کی تفسیر میں

کیوں درج کر دیا۔ وہ فرماتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ تھی۔

ذکرها المصنف هنا لمناسبة قوله فی هذه السورة فلما توفيتنی كنت انت الرقيب عليهم

(فتح الباری شرح بخاری ج۸ ص۲۲۸)

امام بخاری کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح سورۃ مائدہ میں فلما توفيتنی کا مفہوم موت کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے اسی طرح متوفيك کا مفہوم بھی وہی ہے۔ اس لیے متوفيك کی تفسیر کو سورۃ مائدہ میں درج کر دیا۔ تاکہ ان دونوں آیات میں جو معنوی تطبیق ہے قارئین پر اچھی طرح واضح ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری قرآن سے حضرت عیسٰی کی صریح طور پر موت ثابت کر رہے ہیں۔ اور جہاں انہوں نے اپنی کتاب میں نزولِ مسیح کے بارے میں احادیث درج کی ہیں وہاں انہوں نے اُن کی سند میں مخدوش راویوں کے نام بھی درج کر دیے ہیں۔ تاکہ جرح کے ذریعے اس نظریے کی حقیقت معلوم ہو سکے۔

امام ابن حزم جنہیں سلفی مسلک میں ایک عظیم محدث کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، ان کی کتاب المحلی کافی تشہیر کی حامل ہے۔ اس کتاب کے جزو اوّل میں عقائدِ اسلامیہ کی

وضاحت کی گئی ہے۔ آپ نے نزولِ مسیح کے عقیدے کو دو جگہ بیان کیا ہے۔ جہاں اِس عقیدے کو قرآن کے ساتھ بیان کیا ہے وہاں تو حضرت عیسٰی کی موت ثابت کر دی ہے۔ آپ چوں کہ سلفی مسلک کے حامل تھے، اِس لیئے نزولِ مسیح کی مروی احادیث کو کیسے نظر انداز کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اِس کتاب کے دوسرے مقام پر احادیث کے ذریعے نزولِ مسیح کو بھی ثابت کر دیا ہے آپ اپنے پہلے عقیدے کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

فالوفاۃ قِسمان نوم و موت فقط ولم یُرد عیسٰی علیہ السلام (فلما توفیتنی) وفاۃ النوم فصح انہ انما عنی وفاۃ الموت۔

(المحلی ص۲۳ ج۱)

قرآن میں لفظِ وفات کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مفہوم نیند پر اطلاق کرتا ہے۔ دوسرا مفہوم موت پر۔ حضرت عیسٰی کے قول فلما توفیتنی میں نیند کی موت مراد نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ آپ نے فلما توفیتنی میں وفات کو حقیقی موت کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ (المحلی ص۲۳ ج۱)

اب آپ دوسرے عقیدے کو ملاحظہ فرمائیے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

الا ان عیسٰی بن مریم سینزل۔ کما جاء فی حدیث

مسلم۔ (المحلیٰ ص۹ ج ۱)

مسلم اور دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نزول فرمائیں گے۔ (المحلیٰ ص۹ ج ۱)

اس تضاد سے سطحی اذہان رکھنے والے کافی پریشان ہوجاتے ہیں۔ اس میں زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ امام بخاری اور امام ابن حزم قرآن سے تو حضرت عیسیٰ کی موت ثابت کر رہے ہیں۔ اور جن احادیث سے نزول ثابت ہو رہا ہے آپ جب ان کی سندوں پر جرح کریں گے تو آپ معلوم کرلیں گے کہ نزول مسیح کی ساری تعمیر چند مخدوش راویوں کے اختراعی تخیلات پر کی گئی ہے۔ اس میں وہ حضرات جو سلفی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی سلفیّت کو قرآن کے تابع کرتے ہیں یا قرآن کو ناقص سمجھتے ہوئے اس پر اپنی سلفیّت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ع

تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

نزول مسیح اور قرآن

اہلحدیث کے مرکزی عالم نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں۔ قرآن کی جن آیات سے نزول مسیح ثابت کیا گیا ہے۔ وہ یہ دو آیات ہیں:۔

(۱) وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ۔

(۲) وانہ لعلم للساعۃ۔

پہلی آیت کا تفصیلی جواب گزر چکا ہے۔ دوسری آیت کا مختصر جواب یہ ہے:۔
اِس آیت کے بارے میں شیخ احمد ملّا جیون جونپوری فرماتے ہیں:۔

وقیل الضمیر راجع الی القرآن فانہ سمّاہ علما للساعۃ مشتمل علی بیانہا ویحتمل ان یکون عیسٰی علما للساعۃ۔ لعلہ لھٰذین الاحتمالین لم یتمسک بہ التفتازانی وغیرہ فی نزول عیسٰی علیہ السلام۔

(تفسیرات الاحمدیہ صـ ۶۵۲)

"وانّہ کی ضمیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے قرآن کو قیامت کا علم اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں قیامت کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسٰی کی طرف راجع ہو۔ اِن دو احتمالوں میں چونکہ تعارض ہے اس لیے امام تفتازانی اور دوسرے اکابر اِس آیت سے نزول مسیح کا تمسک نہیں کرتے۔"

(تفسیرات الاحمدیہ صـ ۶۵۲)

اِس سے معلوم ہوا متعارض احتمال کی وجہ سے اِس آیت سے نزول مسیح قطعاً ثابت نہیں ہوسکتا۔

دجّال - مہدی کا تصوّر عجمی سازش ہے

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی جیسے اہلحدیث کے ایک جیّد محدّث نے لکھا ہے۔ اِس کے جزو سادس کی تعلیق میں علّامہ عبدالرحمٰن محمد عثمان لکھتے ہیں :-

یری الکثیرون من علماء الثقات ان کل ما ورد من احادیث المھدی انما ھو موضع شک و انھا لا تصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل انھا من وضع الشیعۃ۔ (تعلیق تحفۃ الاحوذی)

" محققین علماء کی اکثریت کی تحقیق یہ ہے کہ مہدی کے بارے میں جتنی روایات بیان کی گئی ہیں ان کی حقیقت مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُن کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ان احادیث کو وضع کرنے والے شیعہ ہیں۔"

علّامہ محی الدین عبدالرحمٰن صاحب العرف الوردی للسیوطی کی تعلیق میں فرماتے ہیں :-

اِن کل ما ورد عن المھدی وعن الدجال من الاسرائیلیات۔

(تعلیق العرف الوردی صـــ۱۶۶)

" مہدی اور دجال کے بارے میں جتنی احادیث وارد ہیں ان کا مأخذ اسرائیلی روایات ہیں۔"

فتویٰ الشیخ الازہر

بابت وفاتِ مسیح

سوال :-

(الف) کیا کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کی تصریحات کی رُو سے حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا گئے ؟

(ب) زید اگر عیسٰی علیہ السلام کے زندہ ہونے کا منکر ہے تو علمائے کرام کا اس پر کیا فتوٰے ہے ؟

(ج) نیز ایک شخص اگر ان کے دوبارہ نزول کا منکر ہو تو اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے ؟ کیا اسے کافر کہا جا سکتا ہے ؟

قرآن کریم اور وفاتِ مسیح :-

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا انجام قرآن حکیم میں تین مختلف مقامات پر بیان ہوا ہے :-

سورۃ آل عمران میں خدائے قدوس کا ارشاد ہے :-

(۱) پھر جب عیسٰی نے ان سے کفر محسوس کیا تو فرمایا کون ہے جو اللہ کے دین کے معاملہ میں میری مدد کرے۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں

لے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل کیا اور ہم نے رسول کی اتباع کی پس تو ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ۔ اور کافروں نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھا ہے۔ جب اللہ نے فرمایا اے عیسٰی میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں اور تجھے ان کے الزام سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں ان پر جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں پھر میری طرف تمہارا لوٹ آنا ہے پس میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے" (۳ : ۵۱ تا ۵۵)

(۲) دوسری جگہ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

" اور ان کے کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسٰی بن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا اور انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے صلیب دی مگر وہ ان کے لئے اس جیسا بنا دیا گیا اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا اس بارے میں شک میں ہیں ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور انہوں نے اسے یقینی طور پر قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنا قرب عطا فرمایا"

(۴ : ۱۵۷ تا ۱۵۹)

(۳) تیسرے مقام پر سورۃ مائدہ میں ہے :-

" اور جب اللہ نے کہا اے عیسٰی بن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ

مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بنا لو؟ کہا "تو پاک ہے مجھے
کہاں زیبا تھا کہ میں وہ کہوں جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا
ہوتا تو تجھے اس کا ضرور علم ہوتا۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل
میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے تو ہی غیب کی باتوں
کا جاننے والا ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر وہی جس کا تو
نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب اور تمہارا رب
ہے اور میں ان پر گواہ تھا جب تک کہ میں ان میں تھا پھر تو نے
مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے"
(۵: ۱۱۶ تا ۱۱۷)

قرآن حکیم میں محض مذکورہ بالا تین مقامات پر حضرت مسیح کے انجام کا ذکر
ہوا۔ سورۃ مائدہ کی آیت اس گفتگو کو بیان کرتی ہے جو محشر کے روز حضرت
مسیح اور حضرت کی عبادت کرنے والوں کی تردید میں ہوگی۔ سلسلۂ کلام میں ارشاد
ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ مسیح علیہ السلام کو مخاطب کرکے کہیں گے کہ

کیا نصاریٰ کو تو نے ہی کہا تھا کہ وہ تیری اور تیری ماں کی عبادت اختیار کریں۔
مسیح علیہ السلام عرض کریں گے۔

میرے خدا! تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے تیری توحید کا پیغام
پہنچایا تھا ہاں جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا ان کا نگران
تھا۔ البتہ مجھے اپنی وفات کے بعد وقوع پذیر ہونے والے حالات کا
علم نہیں۔

اس آیت میں فلما توفیتنی کے الفاظ صراحت کر رہے ہیں کہ مسیح کی "وفات" ہو چکی۔ یہاں اس امر کی قطعاً گنجائش نہیں کہ اس وفات سے مسیح علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کے بعد کی وفات مراد لی جائے کیونکہ جو لوگ ہنوز حضرت عیسٰی کو آسمان پر زندہ گمان کرتے ہیں ان کا بھی یہی خیال ہے کہ نزول کے بعد حضرت عیسٰیؑ کی وفات اس وقت ہوگی جب حق کا غلبہ ہوگا اور باطل اپنی شکست کی آواز بن کر رہ جائے گا۔ یہ وفات گویا قرب قیامت کے وقت ہوگی جس کے بعد متبعین مسیحؑ کے شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ آیت حضرت مسیحؑ اور ان کی قوم کے تعلق کی حد بندی کر رہی ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو محیط نہیں ہو سکتی جو آخری زمانے میں ہوں گے کیونکہ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے لوگ ہوں گے نہ کہ مسیح کی قوم کے۔

ایک اور طرح سے دیکھئے تو بھی یہ آیت حضرت مسیح کی وفات کو قطعیت کے ساتھ ثابت کر رہی ہے کیونکہ اس آیت میں عیسائیوں کے عقائد بگڑنے کا زمانہ حضرت مسیح کی وفات کے بعد بیان کیا گیا ہے اور چونکہ وہ نزول قرآن سے پہلے بگڑا ہوا تھا اس لئے حضرت عیسٰیؑ کی وفات بھی نزول قرآن شریف سے پیشتر ہو چکی تھی۔ بخاری شریف میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

جب قیامت کے روز امت کے بعض لوگ پکڑ کر دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا:۔

فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ

شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ۔

میں وہی بات کہوں گا جو عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہی تھی اور میں اُن پر گواہ تھا جب تک میں اُن میں رہا پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی اُن پر نگہبان تھا۔

حضور صلعم کا حضور عیسےٰ کے الفاظ استعمال کرنا صاف بتاتا ہے کہ آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی اُمت بھی ان کی وفات کے بعد بگڑی اور اسی طرح آپؐ کی اُمت آپ کی وفات کے بعد بگڑے گی۔

توفّی کے معانی

ان تصریحات کے بعد لفظ تَوَفّیٰ کے معانی پر غور کیجئے :۔

قرآن حکیم میں تَوَفّی کا لفظ بکثرت وفات کے معنوں میں وارد ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ لفظ توفّی سے موت کے معانی متبادر سمجھے جاتے ہیں جب تک اس لفظ کے ساتھ کوئی اور قرینہ ایسا نہ ہو جو کسی دوسرے معانی پر دلالت کرے یہ لفظ موت کے معانی کے بغیر اور معانی میں استعمال نہیں ہوتا۔ سورۃ سجدہ میں ہے :۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (۳۲)

کہ موت کا فرشتہ تمہاری رُوح قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

سورۃ النساء میں ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ

(۴ / ۹۷)

جن لوگوں کی فرشتے جان قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

سورۃ الانفال میں ہے :-

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَةُ (۸ : ۵۰)

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں۔

سورۃ انعام میں ہے :-

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (۶ : ۶۱)

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے اسے وفات دیتے ہیں۔

اسی طرح تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ، وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وغیرہ آیات میں توفّی صراحت سے موت کے معنوں میں آیا ہے اس لئے توفّی کا کوئی اور مفہوم لینا خلاف قاعدہ ہے۔ لغت میں بھی تَوَفَّاہُ اللّٰہ کے معنی قَبَضَ رُوْحَهٗ لکھے گئے ہیں۔ سورۃ آل عمران کی آیت مذکورۃ الصدر میں یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے معنی کسی عربی دان سے پوچھئے وہ صاف طور پر یہی مفہوم بیان کرے گا کہ اے

عیسیٰ میں تجھے موت دوں گا" یہ الگ بات ہے کہ وہ روایات کو مدِ نظر رکھ کر اس کا وہ عجیب و غریب مفہوم بیان کر ڈالے جس پر علم ماتم کرتا ہے اور عربیت سینہ پیٹتی ہے۔ خود بخاری شریف میں ابن عباسؓ نے اِنِّی مُتَوَفِّیکَ کے معنی کئے ہیں۔ اِنِّی مُمِیتُکَ (میں تجھے موت دوں گا)

اس تصریح کے بعد ہم آیات مذکورہ کے ایک اور لفظ رَفَعَ کا مفہوم متعین کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

رَفَعَ اللّٰہ الیہ کے معانی

سورۃ النساء کی آیت میں بَلْ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ وارد ہوا ہے۔ اکثر مفسرین نے اس میں رفع کی تفسیر آسمان کی طرف جانا کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی اور کو مسیح کی شبیہہ بنا دیا اور مسیح کو جسم سمیت آسمان پر اُٹھا لیا وہ وہاں زندہ ہیں آخری زمانے میں اُتریں گے سؤروں کو مار ڈالیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے۔ مفسرین اس بارے میں اوّل تو ان روایات پر اعتماد کرتے ہیں جن میں دجال کے بعد نزول مسیح کا ذکر ہے یہ روایات مضطربہ اپنے الفاظ اور معانی میں اس قدر مختلف ہیں کہ ان میں تطبیق ممکن نہیں۔ اس امر کی تصریح خود علمائے حدیث نے کی ہے۔ مزید براں یہ ذہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے تھے علمائے جرح و تعدیل کے نزدیک ان راویوں کا جو درجہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

مفسرین کی دوسری دلیل وہ روایت ہے جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور جس میں انہوں نے نزول عیسیٰ کی خبر دی ہے اگر یہ حدیث صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ واحد ہے اور علمائے اُمت کا اجماع ہے کہ خبر واحد سے نہ تو کوئی عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی امور غیبیہ کے بارے میں اس پر اعتماد کرنا درست ہے۔

مفسرین کی تیسری دلیل وہ بیان کی ہے جو حدیث معراج میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے آسمانوں کی طرف صعود کیا اور یکے بعد دیگرے آسمانوں کو کھولتے گئے تو دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور ان کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ اس دلیل کی عنکبوتیت خود اس کے بیان سے واضح ہے۔ تمام علماء تسلیم کرتے ہیں کہ معراج میں حضور بہت سے انبیاء سے ملے اور یہ ملاقات محض روحانی تھی۔ اگر جسمانی ہوتی تو ماننا پڑے گا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ اُٹھا لئے گئے۔ اسی طرح باقی انبیاء بھی زندہ اُٹھائے گئے ہوں گے اور حضرت یحییٰ تو خصوصاً زندہ اُٹھائے گئے ہوں گے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہی ملے تھے تو کیا ان تمام انبیاء کا پھر نزول ہوگا؟

یہاں مفسرین کی اس طرفہ بات کو بھی مدنظر رکھئے کہ جب وہ رفعه الله الیہ آیت قرآنی کا مفہوم بیان کرتے ہیں تو حدیث معراج سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں چونکہ معراج میں حضورؐ نے عیسیٰ علیہ السلام کو دوسرے آسمان پر دیکھا اس لئے رفع الله الیہ کے معنی ہیں اللہ نے عیسیٰ کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ لیکن جب حدیث معراج کے سلسلے میں اُن سے کہا جاتا ہے کہ ممکن

ہے دوسرے انبیاء کی طرح عیسٰی علیہ السلام سے بھی روحانی ملاقات ہوئی ہو۔ تو وہ جھٹ کہہ دیتے ہیں۔ واہ جی! قرآن میں تو آچکا ہے رفعہ اللہ الیہ " گویا اس طرح یہ لوگ جب حدیث کی تشریح کرتے ہیں تو اپنے مزعومہ معانی پر آیت کو دلیل گردانتے ہیں اور جب آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو حدیث کے مزعومہ مفہوم کو بطور سند لاتے ہیں ؎

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

رفع کی حقیقت

سورۃ آل عمران کی آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ سورۃ نساء کی آیت بل رفعہ اللہ الیہ سے ملا کر پڑھیئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں رفع کا جو وعدہ کیا گیا تھا دوسری آیت میں اسی وعدہ کے پورا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں وفات۔ رفع تطہیر کے وعدے تھے۔ اگرچہ دوسری آیت میں وفات اور تطہیر کا بیان نہیں۔ صرف رفع الی اللہ کا ذکر ہے۔ تاہم دونوں آیتوں میں تطبیق کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام وعدوں کو یہاں بھی مدنظر رکھا جائے پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی کو وفات دی پھر رفع فرمایا اور انہیں کافروں کے الزامات سے معصوم ثابت کیا۔

ماضی قریب کے مشہور مفسر علامہ آلوسی نے مُتَوَفِّیْكَ کی جو متعدد تفسیریں کی ہیں اُن میں سے واضح ترین معنے ہیں کہ میں تیری مدت عمر کو پورا کردوں گا۔

اور تجھے طبعی موت سے وفات دوں گا۔ تجھ پر کوئی ایسا شخص مسلط نہ ہوگا جو تجھے مقتول یا مصلوب کر سکے۔ مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ کا یہی مفہوم ہے جو شخص قتل نہ ہو اور نہ ہی صلیب پر لٹکایا جائے یہ ضروری نہیں کہ اس کی موت کا بھی انکار کیا جائے۔ گویا آیتِ مذکورہ میں بطور کنایہ بتا دیا گیا کہ حضرت عیسٰیؑ دشمنوں کے قتل کرنے سے محفوظ رہے اور اپنی عمر پوری کر کے طبعی موت سے فوت ہوئے۔

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ وفات کے بعد صرف بلندئ درجات ہی مراد ہو سکتی ہے نہ کہ رفع جسمانی بالخصوص جبکہ آیت میں متصل بعد "مطھرك من الذین کفروا" کا فقرہ موجود ہے جو یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہاں شرف و اجتبا اور عظمت و تکریم کا مقصود تھا۔

قرآن کریم میں لفظ رفع ان معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ مثلاً وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہم خود ہر روز دعائیں بھی کہتے ہیں وَارْفَعْنِیْ (یعنی خدا مجھے بلند درجات عطا فرما) خدائے قدوس کا ایک صفاتی نام اَلرَّافِعُ ہے اس کا مفہوم ائمہ لغت نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ اپنے اولیاء کو اپنا قرب عطا فرما کر ان کے درجات بلند کرتا ہے انسان کا کسی اونچی جگہ پر چلا جانا خدا کے نزدیک بلندی نہیں نہ ہی خدا کوئی جسم ہے کہ وہ بلند مقام پر رونق افروز ہو۔

پس آیات رَافِعُكَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں وہی مفہوم ادا ہوا ہے جو آیات "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" اور "عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ"

وغیرہ میں مراد ہے۔ ان سب مقامات پر حفاظت۔ نگرانی اور مقدس پناہ میں داخل ہونے کے سوا اور کوئی مفہوم مراد نہیں لیا جا سکتا۔ پھر لفظ الیہ بنا معلوم مفسرین آسمان پر لفظ کہاں سے گھسیٹ لاتے ہیں۔ بخدا کتاب اللہ کے واضح اور غیر مبہم انداز بیان پر یہ صریح ظلم محض ان تصورات اور روایتوں کی اتباع میں روا رکھا جا رہا ہے جن کی صحت پر یقینی طور پر کوئی دلیل یا نیم دلیل بھی قائم نہیں

آیات کا مفہوم

علاوہ بریں حضرت عیسٰی علیہ السلام صرف ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے کے سب رسول وفات پا چکے ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قوم نے اُن سے دشمنی کی اور ان کے بارے میں بُرے عزائم نمایاں تھے۔ اس لئے اللہ تعالٰی نے اپنی قوت و حکمت سے انہیں فسادیوں کے شر سے محفوظ رکھا اور دشمنوں کی خفیہ تدبیروں کو ناکام بنا دیا۔ یہی وہ مضمون ہے جو سورۃ آل عمران کی آیات میں بیان ہوا ہے۔ ایک دفعہ پھر ان آیات کا مطالعہ کیجئے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالٰی نے یہی کچھ بیان فرمایا کہ خدا کی تدبیر کافروں کی تدبیر کے مقابلے پر نہایت قوی اور زبردست ہوتی ہے۔ اس لئے مسیح علیہ السلام کو محفوظ رکھنے کی الٰہی تدبیر کے سامنے یہود کا مسیح کو قتل کرنے کا منصوبہ اکارت گیا۔ آیت یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا میں خدائے قدوس نے مسیح کو بشارت

دی تھی کہ وہ انہیں دشمنوں کے شر سے مامون رکھے گا اور ان کے ذلیل منصوبے ناکام بنا دے گا۔ وہ انہیں پوری عمر کے بعد طبعی وفات دے گا۔ اور ان کے درجات بلند کرے گا اس طرح وہ لوگ جو عیلےٰؑ کی صلیب کی ذلیل موت کے درپے تھے اپنی نامرادی کا ماتم کرتے رہ جائیں گے۔

صلیب کی موت کو وہ لوگ مسلم طور پر لعنت خیال کرتے تھے کیونکہ استثناء ۲۳ میں ہے " وہ جو مصلوب ہوتا ہے " اور گلیتون $\frac{۳}{۱۳}$ میں پولوس کہتا ہے لکھا ہے" جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے۔" چونکہ " لعنت" کے معنی ہیں خدا کی رحمت سے دور ہو جانا اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" اے عیلے میں تجھے مقتول اور مصلوب نہیں ہونے دوں گا بلکہ تو طبعی موت سے وفات پائے گا۔ اور یہ لوگ جو گمان کرتے ہیں کہ تجھے صلیب دے کر وہ سر اونچا کر کے کہیں گے کہ دیکھو مسیح اللہ کی رحمت سے دُور تھا۔ (ملعون معاذ اللہ) اسلئے اُسے صلیب کی موت نصیب ہوئی۔ انہیں بتا دوں گا کہ تو میری رحمت سے دُور نہیں بلکہ میرا مقرب ہے (وَرَافِعُكَ اِلَیَّ)

ہر وہ شخص جس کا ذہن سلیم ان تمام روایات سے خالی ہو جنہیں بدقسمتی سے قرآن حکیم پر حکم تسلیم کر لیا گیا اور وہ ربّ ذوالجلال کی اس سنّت مقدسہ سے بھی واقف ہو جو انبیاء کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے وقت ظہور میں آتی ہے ان آیات کو پڑھتے وقت ان کا وہی مفہوم اخذ کرے گا جو ہم نے بیان کر دیا۔

یہ عجیب نکتہ میری سمجھ سے بالا تر ہے کہ مسیح کو یہود کے درمیان سے آسمان پر لے جانے کو مکر (خفیہ تدبیر) کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ" مکر" یہودیوں

"مکر" سے بہتر تھا حالانکہ وہ اس چیز کا سرے سے مقابلہ ہی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ انسانی "مکر" کے مقابلہ میں اللہ کی خفیہ تدبیر پر "مکر" کے لفظ کا اطلاق اسی وقت جائز ہے جب وہ تدبیر عام عادت سے خارج نہ ہو اور انسانی "مکر" کے اسلوب پر نافذ ہو سکے جس طرح آنحضرت صلعم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك ویخرجوك یمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین ۝

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

عیسےٰؑ کے آسمان پر جانے کا منکر

کافر قرار نہیں دیا جا سکتا

(الف) قرآن وحدیث میں ایسی کوئی سند موجود نہیں جس کی بناء پر یہ عقیدہ قائم کیا جا سکے کہ عیسےٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے اب تک وہاں زندہ ہیں اور وہاں سے آخری زمانہ میں اتریں گے۔

(ب) قرآن کریم کی تصریحات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ محض یہی ہے کہ اللہ نے حضرت عیسےٰؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ انہیں عمر طبعی کے اختتام پر وفات دے گا ان کے درجات بلند فرمائے گا اور انہیں کافروں کے برے عزائم سے محفوظ رکھے گا اور یہ

وعدہ پورا ہو گیا حضرت مسیح کے دشمن انہیں قتل کر سکے ہیں نہ مصلوب بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کی مدت پوری کر کے انہیں وفات دی اور اپنا قرب عطا فرمایا۔

(ج) جو شخص عیسٰی علیہ السلام کے جسم سمیت آسمانوں پر اُٹھائے جانے، وہاں زندہ ہونے اور آخری زمانے میں نزول فرمانے سے انکار کرتا ہے۔ وہ کسی قطعی اور یقینی چیز سے انکار نہیں کرتا لہذا اسے اسلام اور ایمان سے خارج قرار دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے اس پر ارتداد کا حکم لگانا کسی طرح درست نہیں بلکہ وہ مؤمن و مسلم ہے جب وہ فوت ہو تو مسلمانوں کی طرح اس کا جنازہ پڑھنا چاہیئے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیئے۔ اللہ کے نزدیک تو اس کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں۔

وَاللّٰہُ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرٌ بَصِیْرٌ۔

(فتویٰ از شیخ الازہر علامہ محمود شلتوت)

ابنِ عربی اور حضرت مجددؒ صاحب کی تعلیمات کا اثر

ایک مجلس میں حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجددؒ الف ثانی کا ذکر آیا تو حضرت سیّد سلیمان ندوی نے کیسی گُر کی بات بتائی ارشاد فرمایا:۔

"شیخ محی الدین ابنِ عربی نے توحید کی تعلیم پر زور دیا اور اس کو فلسفیانہ انداز میں پیش کیا۔ اُن کی اصطلاحات کے ذریعے جو ضلالت پیدا ہوئی وہ توحید کی راہ سے آئی اور لوگ "انا الحق" کے مدعی بن گئے۔ اور حضرت مجدّدِ الفِ ثانی نے اتباعِ سنّت پر زور دیا، مگر ساتھ ہی نبوّت کی فلسفیانہ توضیح پیش فرمائی۔ اِس کے ذریعے جو ضلالت پیش آئی، وہ نبوّت کی راہ سے تھی اور "انا النبی" و "انا المھدی" کہنے والے پیدا ہوئے۔"

(سیرۃِ سلیمانی کا عرفانی پہلو ص۶)